دنیا کو کمزوریوں سے پاک کرنے کے لئے آپ کو مامور فرمایا گیا ہے۔

آپ اس پر قائم ہو جائیں خدا آپ کی حفاظت فرمائے گا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ / اپریل ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ (ھود: ۱۱۵-۱۱۷)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات کریمہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان سے متعلق کچھ بیان کرنے سے پہلے اپنے ایک گزشتہ خطبہ کے حوالے سے ایک تصحیح کرنی چاہتا ہوں۔

میں نے ۳ / اپریل کے خطبہ میں اپنی اہلیہ آصفہ بیگم کی تاریخ پیدائش ۲۱ / جنوری ۱۹۳۶ء بیان کی تھی اور حوالہ یہ دیا تھا کہ ان کے پہلے پاسپورٹ میں یہ تاریخ درج ہے۔ میں نے جا کر دیکھا تو واقعۃً یہی تاریخ پاسپورٹ پر درج ہے لیکن پاسپورٹ پر اندراج میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ اب مجھے چھوٹی آپا حضرت سیدہ امّ متین صاحبہ نے پرانے الفضل دیکھ کر وہاں سے حوالہ بھیجا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سن بھی اور تاریخ بھی غلط درج تھی ان کی پیدائش ۲۱ / جنوری ۱۹۳۵ء کو نہیں بلکہ ۱۶ / جنوری بروز بدھ ہوئی تھی یعنی ۱۵ اور ۱۶ کی درمیانی رات کو جبکہ ۱۶ کی تاریخ شروع ہو

چکی تھی۔ اسی طرح تاریخ شادی میں بھی غلطی ہوگئی تھی میں نے کہا تھا کہ مجھے یاد نہیں ہے لیکن غالباً کہا تھا کہ سترہ ہے۔ وہ بھی وہاں سے حضرت چھوٹی آپا نے الفضل دیکھ کر بتایا ہے کہ ۸ / تاریخ کو ربوہ سے بارات لاہور کے لئے روانہ ہوئی تھی اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں یہ بارات گئی تھی۔ حضرت مصلح موعودؓ بوجہ بیماری خود شرکت نہیں فرما سکے تھے اور ۹ / دسمبر کو پیر کے روز لاہور میں شادی ہوئی اور پھر اسی روز وہاں سے واپس ہوئی پس یہ دو تاریخیں درست کرنے والی تھیں معمولی باتیں ہیں لیکن چونکہ یہ خطبات تاریخ کا حصہ بننے والے ہیں اس لئے ان میں غلطی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کی تصحیح ساتھ ساتھ ہوتی رہنی چاہئے۔

آج میں نے جو آیات کریمہ تلاوت کی ہیں یہ انہی آیات میں سے لی گئی ہیں یا انہی کا حصہ ہیں جو پہلے بھی تلاوت کی جا چکی ہیں۔ پہلے تقریباً پورا رکوع میں نے تلاوت کیا تھا۔ پہلی آیت یعنی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ اگرچہ زیر بحث لائی جا چکی ہے لیکن آج اس آیت سے دوبارہ تلاوت اس لئے شروع کی کہ مجھے جمعہ کے بعد یہ بتایا گیا کہ زُلَفًا کی بجائے میں زُلُفًا پڑھ گیا تھا جہاں تک اس کی تصحیح کا تعلق ہے وہ تو کیسٹ میں کر دی گئی تھی اور جماعتوں کو مطلع بھی کر دیا گیا تھا لیکن آج اس بات کو دہرانے کا مقصد اور ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے اس سلسلہ میں مزید تحقیق کی قرآن کریم میں یہ لفظ جس طرح مستعمل ہوا ہے اُن جگہوں کو دیکھا اور لغت کے حوالے سے مزید غور کیا کہ زُلُفًا اور زُلَفًا میں کیا فرق ہے۔ قرآن کریم میں مثلاً لفظ زُلفیٰ کی کھڑی زبر کے ساتھ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے اور ہر جگہ اس کا معنی قرب ہے لیکن زُلَفًا لفظ کی لغت کا جب میں نے مستند کتب سے جائزہ لیا تو ایک ایسا امر سامنے آیا جو ایک بہت قیمتی چھپا ہوا موتی تھا۔ جسے اس آیت کے ضمن میں بیان ہونا چاہئے تھا لیکن وہ نظر سے اوجھل ہو گیا اور میں نے سوچا کہ بعض غلطیوں سے بھی اللہ تعالیٰ بہت سی برکتیں نکال دیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حکمتیں بہت باریک ہیں۔

پہلے میں آپ کے سامنے مختصراً لغوی بحث رکھتا ہوں، قرآن کریم کی اس آیت میں لفظ زُلَفًا جو استعمال ہوا ہے اس کا مصدر ہے زَلَفًا وَ زَلَفًا و زَلِیۡفًا یہ تین مصادر آئے ہیں اور ان مصادر میں کہیں بھی ف کلمہ یعنی ''ز'' پر ضمہ یعنی پیش نہیں ہے زُلۡفًا و زَلَفًا و زَلِیۡفًا اور زُلَفًا کا لفظ مصدر میں یہاں استعمال نہیں ہوا لیکن اس مصدر سے ایک اور اشتقاق ہوا ہے یعنی اس سے مشتق نکلا ہوا ایک اور

لفظ ہے اور وہ ہے۔ الزُّلْفَةُ زلف اور اس آیت کریمہ میں جو لفظ زُلَفاً استعمال ہوا ہے۔ وہ اسی زُلْفَ سے لیا گیا ہے۔ اس سے آگے پھر زُلَفاً بنتا ہے۔ جو قابل ذکر بات تھی وہ یہ تھی کہ میں اس مضمون کے متعلق یہ رجحان رکھتا تھا کہ اس آیت میں لفظ زُلَفاً صرف رات کے ٹکڑے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ قرب الٰہی کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے کیونکہ لفظ زُلْفٰی جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اس میں قرب کے معنی ہیں، رات کے معنی نہیں ہیں۔ (زل ف ی، کھڑی الف سے جو زلفٰی لفظ ہے اس میں قرب کے معنی ہیں اور رات کے معنی نہیں ہیں) اسی طرح اور مصادر میں بھی قرب کے معنی ہیں اور رات کے معنی نہیں مثلاً یہیں جو اصل مصدر زُلْفًا وَ زَلَفًا و زَلُوْفًا ہے اس میں قربت اور کسی سے دوستی چاہنا اس کے قریب ہو جانے کے معنی تو ہیں مگر رات کے معنیٰ نہیں لیکن اس سے جو مشتق ہوا ہے زُلْفَةً اس میں خدا تعالیٰ کا یہ عجیب تصرّف ہے کہ رات کے معنی بھی ہیں اور قربت کے معنی بھی ہیں اور یہ دونوں معنی یہاں اکٹھے ہو گئے ہیں۔ پس قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کا یہ کرشمہ ہے کہ ان تمام لفظوں میں سے وہ لفظ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا جس میں محض رات کے ٹکڑے کے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اور یہ مضمون ویسے ہی ہے جیسے فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل: ۸۰) میں بیان ہوا ہے کہ رات کو اُٹھ کر اگر تم نوافل پڑھو گے اور تہجد پڑھو گے تو یہ ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہیں پیار عطا ہوگا اور مقام محمود عطا ہوگا۔

پس اس آیت کے اب یہ معنی بنیں گے۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ نماز کو قائم کرو، عبادت کیا کرو، دن کے دونوں کناروں کے وقت یعنی صبح بھی سورج نکلنے کے بعد دن کے پہلے حصہ میں بھی اور سورج غروب ہونے سے پہلے دن کے آخری حصے میں بھی وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اور رات کے کسی حصہ میں بھی لیکن زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ میں کسی حصے سے زیادہ معنے پائے جاتے ہیں کیونکہ زُلَفًا کا مطلب رات کا وہ حصہ بھی ہے جو دن کے ساتھ لگا ہوا ہو اور دونوں طرف زُلَفًا کا لفظ اطلاق پاتا ہے۔ تو مراد یہ ہے کہ دن کے دونوں کناروں پر بھی، ابھی دن ہو تو نماز پڑھا کرو، عبادت کیا کرو اور رات کے دونوں کناروں پر بھی یعنی ان کناروں پر جو دن سے ملتے ہیں عبادت کیا کرو اور وَ زُلَفًا کا الگ آزاد معنٰی یہ ہوگا اور رات کے کسی حصہ میں اٹھ کر الگ عبادت بھی کیا کرو۔ پانچوں

وقت کی ساری نمازیں اور ان کے اوقات اس آیتِ کریمہ میں بیان ہو گئے اور زُلَفًا میں ہمیں یہ مزید معنی ملے کہ اگر تم رات کو اُٹھ کر الگ عبادت کرو گے تو تمہیں قرب الٰہی عطا ہوگا۔ ایسا قرب الٰہی جو عام نمازوں سے بڑھ کر ہے اور یہ نماز تمہیں اپنے رب کے قریب تر کر دے گی۔ پس اس مزید اضافی تشریح کے ساتھ اب میں اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کیونکہ اس آیت کریمہ کے دوسرے پہلوؤں پر گزشتہ خطبہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ صبر سے کام لے کیونکہ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ محسنین کون لوگ ہیں؟ اس کا ایک تعلق نماز سے بھی ہے اور چونکہ نماز کی بات ہو رہی ہے اس لئے سب سے پہلے نماز سے تعلق رکھنے والے معنی بیان ہونے چاہئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسن کی یہ تعریف فرمائی کہ جو اس طرح عبادت کرے گا کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ ایسی عبادت کے مقام پر ابھی فائز نہیں ہوا اُسے یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا خدا کو سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے تو کم سے کم اتنا تو کرے کہ یہ احساس بیدار رکھے کہ خدا اُسے دیکھ رہا ہے اور ساری عبادت کے وقت اس کے ذہن پر یہ ایک تصور مستولی ہو اور یہ بات طاری ہو کہ میں خدا کے حضور کھڑا ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ محسن ہے جو ایسی نماز ادا کرتا ہے تو اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا وَاصْبِرْ پھر فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔

صبر کا جہاں تک تعلق ہے اس کے مختلف معانی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں عام غم کی حالت میں انسان خدا کی خاطر جو برداشت کرتا ہے اور حوصلہ نہیں چھوڑتا اسے بھی صبر کہا جاتا ہے لیکن نیکیوں کے ساتھ چمٹ جانے کو بھی صبر کہا جاتا ہے۔ مضبوطی سے نیکی پر ہاتھ ڈالنا اور اس پر قائم ہو جانا اسے صبر کہتے ہیں۔ صبر کا اس مضمون سے کیا تعلق ہے۔ پہلے میں یہ بیان کر لوں پھر محسنین کے تعلق میں اگلی بات بیان کروں گا۔

نیکی کے دو کنارے ہیں ایک وہ جب انسان نیکی میں داخل ہوتا ہے اس وقت نیکی پر انسان کو دوام حاصل نہیں ہو جاتا بلکہ نیکی کو اختیار کرنے میں کچھ محنت کرنی پڑتی ہے۔ جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ نیکی عقل کے لحاظ سے تو اچھی لگتی ہے لیکن عادت اور مزاج کے لحاظ سے مشکل معلوم ہوتی ہے اور

جہاں بھی مشکل اور تکلیف کا مضمون ہوگا وہیں صبر کا مضمون ہوگا۔ پس صبر کی اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ ایک شخص اگر نئی نماز شروع کرے، نیا نیا سچ بولنا شروع کرے، نیا نیا لین دین میں معاملہ صاف رکھنے کی کوشش کرے تو شروع میں اُسے بہت دقّت پیش آتی ہے نماز کے لئے اٹھنا اور اس پر قائم ہونا بھی مشکل، سچ بولنا بھی مشکل اور معاملات صاف کرنا بھی مشکل غرضیکہ ہر نیکی، یہ ایک لازمہ ہے کہ نیکی کی ابتداء میں انسان دقت محسوس کرتا ہے، تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا یہ معنی کیا کہ نیکی سے چمٹ جائے، کسی حالت میں اُسے چھوڑے نہیں اور جب نیکی اس سے آگے ترقی کر جاتی ہے تو پھر وہ احسان میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہر نیکی انسان کو احسان کی طرف لے کر جاتی ہے اور اس وقت نیکی میں ایک لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ محسن کا ایک یہ معنی بھی ہے کہ اپنے فعل کو زیادہ خوبصورت بنانے والا۔ پس عبادت کے لحاظ سے محسن کا مطلب ہے، وہ شخص جو عبادت کرتے وقت گویا خدا کو دیکھ رہا ہو اور آمنے سامنے اس سے گفتگو کر رہا ہو اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر یہ نہیں تو کم سے کم حاضر باش رہے یہ خیال ہمیشہ اُسے دامن گیر رہے کہ میں سب سے اعلیٰ اور اجلّ ہستی کے سامنے کھڑا ہوں اور اس حضوری کے جو تقاضے ہیں، جو ادب اور احترام اس احساس کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کی عبادت اور اس کی حرکات وسکنات میں پیدا ہو جائے۔

محسن کا دوسرا مطلب ہے کسی چیز کو خوبصورت بنانے والا پہلے سے بہتر کر دینے والا، کسی چیز میں حسن داخل کرنے والا پس وہ لوگ جو نیکی پر صبر سے قائم ہو جاتے ہیں ان کی نیکی پھر حسین ہو جاتی ہے اس میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نیکی محض جبر سے نہیں کرتے بلکہ اسکی محبت میں کرتے ہیں۔ نیکی کے ساتھ ایک لطف وابستہ ہوتا ہے جو ابتداء میں حاصل نہیں ہوا کرتا کچھ عرصے کے تجربہ کے بعد اس میں سے وہ حُسن پھوٹتا ہے اور نیکی سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو صبر کے بعد محسن کی تعریف پھر یہ ہوئی کہ وہ لوگ جو نیکیاں اختیار کرتے ہیں اور صبر سے مستقل مزاجی کے ساتھ کوشش کے ساتھ، باوجود اس کے کہ دل مائل نہ ہو وہ اس نیکی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور پھر کسی حالت میں اس کو چھوڑتے نہیں رفتہ رفتہ ان کی نیکی میں سے ایک حُسن پھوٹتا ہے اور ان کی نیکی میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے اور ایک دلکشی پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ نیکیوں سے جبر کے ساتھ نہیں بلکہ محبت کے نتیجہ میں تعلق رکھنے لگ جاتے ہیں اور وہ نیکیاں بغیر کسی کوشش اور بغیر جدوجہد کے ان کی زندگی کا مستقل حصہ بن جاتی ہیں۔

ایسی حالت میں جب نماز میں داخل ہو تو پھر وہ محسنین کی نماز بنتی ہے۔ ایسی حالت میں انہیں دیدار نصیب ہوتا ہے اور حسن کے دیدار سے زیادہ اور کسی چیز میں لذت نہیں۔ پس اس کے معنی یہ ہوں گے کہ صبر کے ساتھ نماز ادا کرنے والے اگر چہ آغاز میں انہیں نماز کے مزے نہ بھی آتے ہوں تو وہ اس یقین کے ساتھ کہ یہ اچھی چیز ہے اُس سے چمٹے رہتے ہیں پھر نماز میں ایک حُسن پھوٹتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پھر خدا تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا آنحضور ﷺ نے ذکر فرمایا کہ وہ خدا کو اپنے سامنے دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اسی میں نماز کی اصل لذت ہے اور اس سے پہلے کا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے کھڑا ہوا محسوس کرنے لگ جاتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ مرتبہ کو پہلے بیان فرمایا کہ یہ مقصود ہونا چاہئے اور بیچ کی منزل کو بعد میں بیان فرمایا جس میں سے ہر محسن ضرور گزرتا ہے۔ پس جب نمازیں جاگ اٹھتی ہیں اور ان میں روشنی پیدا ہوتی ہے تو پہلے ان کے اندر اپنا ایک ذاتی حسن پیدا ہوتا ہے پھر خدا تعالیٰ کے قرب کا احساس نمایاں ہو جاتا ہے اور نماز کے ہر حصہ پر غالب آجاتا ہے۔ اس قرب سے پھر دیدار الٰہی پھوٹتا ہے اور نمازی کو اپنا محبوب خدا اپنے سامنے کھڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ سجدہ کرتا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ خدا کے قدموں میں سجدہ کر رہا ہے اور یہ نماز کی وہ لذت ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کہ یاد رکھو! اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ پس جو لوگ دعوت الی اللہ اس طریق پر کریں جس طریق پر قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور عبادت اور نیکیوں کے ساتھ ایسا تعلق قائم کریں جیسا کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہے تو بالآخر وہ ضرور کامیاب ہوں گے اور صبر کے یہ بھی معنی ہیں کہ اپنے نیک انجام پر یقین رکھیں۔ اگر یہ یقین نہ ہو تو صبر آ ہی نہیں سکتا۔ حقیقی صبر اُسی کو نصیب ہوتا ہے جو خدا پر ایمان لاتا ہے اور آخرت پر ایمان لاتا ہے کیونکہ آخرت اچھے انجام کی خبر دیتی ہے۔ دنیا میں کوئی کتنی ہی تکلیفوں میں سے گزر رہا ہو یا اس کا کوئی قریبی گزر رہا ہو جب دل میں یہ کامل یقین جاگزیں ہو کہ بالآخر ان تکلیفوں سے صرف چھٹکارا ہی نصیب نہیں ہونا بلکہ اس سے بہت بہتر حالت عطا ہوگی جو دنیا کی سب تکلیفوں کے مقابل پر اتنی عظیم الشان نعمت ہوگی کہ سب تکلیفیں بھول جائیں گی تو اس کے نتیجہ میں صبر عطا ہوتا ہے۔ صبر کا یقین سے ایک بہت گہرا تعلق ہے تو فرمایا کہ جب نماز کو پکڑو یا نیکیوں کو پکڑو تو دل میں یہ کامل یقین ہونا چاہئے کہ بالآخر یہ

نیکیاں یا یہ عبادتیں تمہیں نیک انجام تک پہنچائیں گی اور اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی سلوک تم سے فرمائے گا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۔ اللہ تعالیٰ ہرگز کبھی بھی احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرمایا کرتا۔

پھر فرمایا۔ فَلَوۡلَا کَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ اُولُوۡا بَقِیَّۃٍ یَّنۡہَوۡنَ عَنِ الۡفَسَادِ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَیۡنَا مِنۡہُمۡ ۚ اے کاش ایسا ہوتا، ایسا کیوں نہ ہوا۔ فَلَوۡلَا کَانَ مِنَ الۡقُرُوۡنِ کہ پرانے لوگوں میں سے، پرانی بستیوں میں سے، پرانی قوموں میں سے جو تم سے پہلے گزریں ایسے عقل والے لوگ کیوں نہ پیدا ہوئے کہ جو فساد سے روکتے اور زمین کو فساد سے پاک کرنے کی کوشش کرتے اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَیۡنَا مِنۡہُمۡ ۚ ہاں چند ایسے لوگ تھے جو مستثنیٰ تھے۔ پہلے لوگوں میں سے بھی ایسے تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی کہ وہ فساد کو دور کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اس کے نتیجہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات بخش دی۔ وَاتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِیۡہِ وَ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ لیکن یہ لوگ جنہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی۔ انہوں نے کس چیز کی پیروی کی فرمایا وَاتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِیۡہِ ان لوگوں نے ان آسائشوں کی پیروی کی جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کی تھیں یا مضمون یوں ہے کہ مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِیۡہِ جو ان کو میسر آئیں یا ان کو دی گئی تھیں یعنی نعمت کی زندگی، آسائش کی زندگی عیش و عشرت کی زندگی، ان چیزوں کو انہوں نے ترجیح دی وَ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ اور وہ مجرم بن گئے یا مجرم تھے۔ اس آیت میں جو تدریج بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مجرم بننا ظَلَمُوۡا کے نتیجہ میں ہوا۔ اور ظَلَمُوۡا کی تشریح یہ فرمائی کہ وہ آسائشوں کے پرستار ہو گئے آسائشوں کی پیروی کرنے والے ہو گئے دنیا کی لذتوں کے لئے وقف ہو گئے۔ اس سے پہلے یہی لفظ ظَلَمُوۡا ان آیات میں گزرا ہے جو میں پہلے تلاوت کر چکا ہوں۔ فرمایا وَلَا تَرۡکَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ان لوگوں کی طرف ہرگز نہ جھکو جن کی طرف تمہارا کوئی میلان نہ ہو جو ظالم ہوئے اب اس آیت میں ظلم کی تشریح فرما دی ہے کہ ہم نے جو تمہیں خبردار کیا ہے کہ ظالموں کے قریب بھی نہ ہونا ان کی طرف جھکنا نہیں تو ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ یہاں اس مضمون میں ظلم سے کیا مراد ہے۔

اس مضمون کے تعلق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظلم سے یہ مراد ہے کہ انسان دنیا کی لذتوں میں کھویا جائے اور ان کی پیروی کو اپنا مقصود اور مطلوب بنا بیٹھے۔ دنیا کی لذتیں اور آسائشیں ان کا مقصود اور قبلہ بن جائے۔ ایسے لوگ جن کا یہ قبلہ بن جاتی ہیں فرمایا ان کی طرف کوئی میلان نہیں ہونا چاہئے، ان کی طرف کوئی جھکاؤ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یاد رکھو کہ ظالم لوگ ایسا کیا کرتے ہیں اور جب ظالم ایسا کرتے ہیں تو خدا کے حضور مجرم کے طور پر حاضر ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ جو سلوک ہوتا ہے یا ہوگا اس کے متعلق آگے پھر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اس میں جماعت احمدیہ کے لئے بہت ہی گہری نصیحت ہے جو اس زمانے میں آج کل کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بہت کام دینے والی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے جب کل عالم میں تبلیغ کا منصوبہ بنایا تو اس کے ساتھ تحریک جدید کا اعلان فرمایا اور تحریک جدید صرف مالی قربانی کا نام نہیں جس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں تبلیغ ہونی تھی بلکہ تحریک جدید اُس پروگرام کا نام ہے جس کے نتیجہ میں احمدیوں کو یہ تلقین کی گئی کہ عمداً آسائشوں سے روگردانی کرو اور دنیا کی لذتوں میں غرق نہ ہو۔ جہاں تک ممکن ہے، توفیق ہے سادہ زندگی اختیار کرو اور عیش وعشرت کی دنیا کو چھوڑ دو اور اپنی تمام تر توجہات خدمت دین کی طرف مائل کر دو۔ تو لَا تَرْكَنُوْٓا میں جو نصیحت قرآن کریم نے فرمائی ہے وہ ہے ظالموں کی طرف نہ جھکو۔ حضرت مصلح موعودؓ کا جو پروگرام تھا وہ محسنین کی طرف جھکنے کا پروگرام تھا اور اس آیت کا جو مثبت نتیجہ نکلتا ہے اسی کا وہ پروگرام تھا کہ یہ نہ کرو تو پھر کیا کرو فرمایا محسنین کی طرف جھکو اور اس کے متعلق ایک تفصیلی پروگرام دیا گیا۔

آج کل جو مغربی معاشرہ ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی لذتوں کی طرف بلانے والا معاشرہ ہے لیکن امرِ واقعہ یہ ہے کہ اس پہلو سے اب مغرب اور مشرق میں کوئی تمیز نہیں رہی۔ پاکستان میں بھی مادہ پرستی کے اسی طرح ابتلاء ہیں جیسے مغرب میں ہیں۔ ہندوستان میں بھی ویسے ہیں جیسے مغرب کے دوسرے ممالک میں ہیں۔ چین اور جاپان دوسرے ایشیائی ملک جس طرف بھی آپ نظر ڈالیں سب میں یہی بلا قوموں کو کھاتی ہوئی دکھائی دے گی کہ دنیا کی لذتیں اور ان کا تتبع اور ان کی طرف دوڑنا اور پاگلوں کی طرح عیش وآرام کی زندگی کے طلبگار ہو جانا اور اسی کے لئے وقف ہو جانا یہ آج قومی رجحانات کا خلاصہ ہے خواہ مغرب کی دنیا ہو یا مشرقی ہو اس پہلو سے سب برابر ہو

چکے ہیں اور یہی وہ بڑی مصیبت ہے جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ کی رفتار پر نہایت ہی مضر اثر پڑ سکتا ہے۔ جماعت احمدیہ خواہ مغربی معاشرے میں نبرد آزما ہو یا مشرقی معاشرے میں نبرد آزما ہو یعنی جہاد میں مصروف ہو جماعت کا وہ حصہ جو تنعّم کی زندگی کو اپنا قبلہ بنالیتا ہے سوسائٹی کی طرف دوڑتا ہے اور سوسائٹی کی رنگینیوں کو دین کی سادگی پر فوقیت دیتا ہے اور ترجیح دیتا ہے وہ حصہ عملاً جماعت سے کٹنا شروع ہو جاتا ہے اور نیک کاموں میں وہ ممد اور مددگار رہنے کی اہلیت نہیں رکھتا دل میں اگر نیکیاں ہیں بھی تو جن کا قبلہ دنیا ہو جائے، جن کی زندگی کا مقصود عیش وطرب ہو اُن کے لئے نیک کام کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور دو طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ ساری جماعت ساری دنیا میں جہاد میں مصروف ہے اور کہیں دعوت الی اللہ کے پروگرام بیان کئے جارہے ہیں، کہیں خدمت خلق کے پروگرام بیان کئے جارہے ہوں، کہیں دنیا کے بڑے بڑے عظیم ممالک کو فتح کرنے کے منصوبے پیش کئے جارہے ہوں۔ وہاں یہ حصہ جس کا دنیا کی طرف رجحان ہو جاتا ہے اوّل تو ایسے مواقع پر حاضر ہی نہیں ہوتا جہاں یہ نیک نصیحتیں کی جاتی ہیں۔ یہ جمعوں سے دور ہو جاتے ہیں، جماعت کی مجالس سے دور ہو جاتے ہیں ان کی اولادیں خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اور ان کی بچیاں لجنات سے رفتہ رفتہ کنارہ کش ہونے لگ جاتی ہیں اور ان میں اور جماعت کے نیک کاموں میں فاصلے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور اس کا بالآخر یہ نقصان پہنچتا ہے کہ صرف ان کا حال ہی ہاتھ سے نہیں جاتا بلکہ ان کی آئندہ نسلیں ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور ایسے لوگوں کے بچے پھر اپنے والدین کے مقابل پر جماعت سے بہت زیادہ دور ہٹ جاتے ہیں کیونکہ والدین نے کم سے کم نیک لوگوں کی گود میں پرورش پائی ہوتی ہے ایسی جو نسلیں میرے پیش نظر ہیں ان میں اکثر وہ بڑے لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد صحابہؓ یا صحابہ نہیں بھی تھے تو بزرگ تابعین تھے اور بہت ہی پاکیزہ لوگ تھے۔ نیک خلق اور نیک عمل کرنے والے اور ان کو مل کر ہی انسان کے دل میں نیکی کی ایک بشاشت پیدا ہوتی تھی ایسے لوگوں کو انہوں نے اپنے گھروں میں چلتے پھرتے دیکھا ہوا ہے۔ وہ اب موجود نہ بھی رہے ہوں تو ان کی نیکی کا یہ اثر ضرور ان کے دل میں جاگزیں ہو چکا ہے کہ احمدیت سچی ہے اور احمدیت کے نتیجہ میں خدا ملتا ہے لیکن دنیا داری کی حرص اور عیش وطرب کی لالچ نے احمدیت سے تعلق کمزور کر دیا لیکن ایمان بہر حال موجود ہے۔ جن بیچارے بچوں نے یہ کمزور

ہوئے ماں باپ دیکھے اور ان کے آباؤ اجداد نہیں دیکھے ان کے دل پر وہ اثر بھی باقی نہیں رہا جو اس پہلی نسل کے دل پر باقی تھا۔ ایمان میں بھی کمزوری آ گئی۔ اپنے ماں باپ کو انہوں نے دنیا کے عیش و عشرت میں اور اس عیش و عشرت کی تلاش میں سرگرداں دیکھا ہے اور دنیا کی لذتوں کی طرف دوڑتا ہوا دیکھا ہے تو اس سے ان کو ایمان کا تو کوئی پیغام نہیں ملا۔ احمدیت کی سچائی کا جو پیغام ملا ہے وہ ایک لفظی سا پیغام ہے اور نیک اثر کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں پر جا گزیں نہیں ہوا، نقش نہیں بنا، اس لحاظ سے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آئندہ نسلوں کو بھی تباہ کر جاتے ہیں اور وہ نسلیں پھر اور دور ہٹ جاتی ہیں۔ شروع میں احمدیت کے نام کی شرم رہتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں امیری کے ابتلاء کے ذریعہ آزمائے تو پھر وہ بیچارے بدنصیب خاندان ہٹتے ہٹتے جماعت سے بالکل ہی تعلق توڑ بیٹھے ہیں۔ ایسی بہت سی نسلیں ہیں جن کا مختلف وقتوں میں مجھے جائزہ لینے کا بھی موقعہ ملا اور اعداد و شمار اکٹھے کرنے کا بھی موقع ملا مختلف وجوہات سے ایسا ہوا لیکن ایک بڑا ابتلاء دنیا پرستی کا ابتلاء تھا جس نے جماعت کے بہت سے خاندانوں کو رفتہ رفتہ جماعت سے کاٹ دیا اور اگر جماعت میں رہے بھی تو ایک نیم جان کی حالت میں، نہ زندوں میں نہ مردوں میں اور آئندہ نسلیں پھر ان کی بالکل ختم ہو گئیں۔ جو موجودہ نسل ہے جو اللہ کے فضل سے اس وقت اخلاص میں ترقی کر رہی ہے اور میں نے اپنے تجربے سے دیکھا ہے جہاں تک بھی خدا تعالیٰ نے مجھے جماعت سے رابطے کی توفیق بخشی ہے میں خدا کے فضل سے یہ گواہی دے سکتا ہوں کہ جماعت احمدیہ کے چھوٹے بڑے مرد اور عورتیں سب ہی رفتہ رفتہ دین میں ترقی کر رہے ہیں اور ان کی جماعت احمدیہ اور اس کے مقاصد سے محبت بڑھتی جا رہی ہے اور تعلق مضبوط ہو رہا ہے۔ بہت سے ایسے نوجوان بھی تھے اور بڑے بھی جو کناروں تک پہنچے ہوئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ واپس آ رہے ہیں اور ایک نیا ولولہ پیدا ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نئی صدی کے سر پر آپ کو رکھنے کی یہ جزا دی ہے کہ اپنی طرف سے آپ کے قدم مضبوط کر دیئے ہیں اور آپ کو خدا تعالیٰ گھیر کر واپس جماعت کے دل کی طرف لا رہا ہے تا کہ آپ آئندہ دنیا کے لئے دل بن جائیں اور مرکزی کردار ادا کریں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اسی طرح نمونہ بنیں جس طرح حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت کی نسل آج تک ہمارے لئے ایک نمونہ ہے اور ہمیشہ نمونہ بنی رہے گی۔

پس یہ وہ مضمون ہے جسے میں اچھی طرح ذہن نشین کروانا چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مشرق

میں ہوں یا مغرب میں۔ جیسا کہ قرآن کریم نے نصیحت فرمائی ہے دنیا کی لذتوں سے اس حد تک لازماً روگردانی کرنی ہوگی کہ آپ کا دل گواہی دے کہ آپ ایک سرسری سی نظر سے ان باتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ہو نہیں گئے ورنہ خدا تعالیٰ نے دنیا میں جو نعمتیں پیدا کی ہیں وہ مومنین کے لئے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نعمت جو پاک ہو وہ مومن کے لئے ہے اس سے کنارہ کشی کرنے کی تعلیم نہیں ہے۔ نعمتوں کی طرف رجحان کو درست کیا گیا ہے۔ یہ فرمایا گیا ہے کہ تمہارا قبلہ اور مقصود دنیا کی نعمتیں نہ بن جائیں ورنہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ یہ نعمتیں تو ہم نے مومنوں کے لئے پیدا کی ہیں اس دنیا میں بھی اور آخری دنیا میں تو خالصۃً مومنوں کے لئے ہوں گی۔ پس جہاں تک نعمتوں کا تعلق ہے اُن سے استفادہ کرنا منع نہیں لیکن عیش وطرب یعنی نعمتوں کا غلط استعمال اور پھر نعمتوں کی طرف غلط رجحان یہاں تک کہ وہ زندگی کا مقصود بن جائیں اور ان کے بغیر انسان سمجھے کہ میری ساری عمر ضائع ہوگئی یہ باتیں غلط ہیں۔ اس جدوجہد کو آسان کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے وہ تعلیم فرمائی کہ صبر کرو اور یاد رکھو کہ اگر تم محسن بن جاؤ گے تو تمہارا کوئی عمل ضائع نہیں جائے گا۔ پس صبر کے ایک اور معنی بھی اس صورتحال پر اطلاق پا رہے ہیں کہ دنیا طلبی سے روگردانی کے وقت بھی کچھ صبر کرنا پڑتا ہے اور جب آپ مضبوطی سے صبر پر قائم ہو جائیں گے تو اس صبر سے بھی ایک حسن پھوٹے گا۔ معاشرتی لحاظ سے وہ حسن کیا ہے یہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔

دنیا کی مثلاً جو لذتیں ہم مغرب میں دیکھ رہے ہیں وہ خاندان خواہ احمدی ہوں یا غیر احمدی ہوں، مسلم یا غیر مسلم، عیسائی غیر عیسائی، دہریہ، سارے خاندان اس پہلو سے یکجائی صورت میں میرے پیشِ نظر ہیں جو لوگ دنیا طلبی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں ان کی زندگی سے سکون اٹھ جاتا ہے۔ ان کے گھروں سے امن اٹھ جاتا ہے، ان کے ہاں کسی چیز کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں رہتی۔ معاشرہ دن بدن دکھوں میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک ایسا موقع آتا ہے کہ نہ بیٹی باپ کی ہے، نہ باپ بیٹی کا، نہ بیٹا ماں کا ہے نہ ماں بیٹے کی، بہن بھائی سے جُدا ہو جاتی ہے اور اس طرح اس گھر میں اکٹھے رہتے ہیں جیسے کچھ جانور اتفاقاً ایک جگہ اکٹھے کر دیئے گئے ہوں۔ ان کی معیشت اکٹھی ہوگئی ہے لیکن صرف کچھ عرصے کے لئے اور جب ذرا بڑے ہوئے تو پھر جس طرح کبوتر چونچیں مار کر اپنے چھوٹے بچوں کو جب وہ ذرا سا الگ ہونے کی صلاحیت اختیار کر لیتے ہیں تو گھونسلے سے باہر نکال دیتا ہے۔

اسی طرح آجکل کی مغربی دنیا میں بہت سی جگہ بچوں سے یہ سلوک ہوتا ہے۔ جرمنی میں خصوصیت سے بعض جرمن احمدیوں نے میرے سامنے بعض واقعات بیان کئے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن انہوں نے کہا کہ یہ تو روزمرہ کی بات ہے۔ بیٹا بڑا ہوا تو اس کے بعد وہ اپنے گھر میں اپنے رہنے کا بل ادا کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح اگر باپ بعد میں آ کر اس کے پاس ٹھہرے تو باپ اس کو اپنا بل دے گا۔

وہ جو ایک خاندان کی اعلیٰ قدریں ہیں اور ایک دوسرے کے لئے ایثار اور قربانی کی اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کی وہ ساری قدریں قصہ پارینہ بن چکی ہیں اور ماضی کی بات ہو چکی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ پھر ایک دوسرے کے ساتھ سختی ہے ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا تو کیا سوال عدل بھی باقی نہیں رہتا۔ کئی مستثنیٰ بھی ہیں۔ کئی ایسے خاندان بھی جانتا ہوں، انگلستان میں بھی اور جرمنی میں بھی اور دوسرے ممالک میں بھی جن میں بہت قرب ہے اور ایک دوسرے سے بہت پیار کرنے والے ہیں۔ ساری قوم ایک سی نہیں لیکن رجحان وہی ہے جو میں بتا رہا ہوں اور یہ بڑھتا ہوا رجحان ہے اور ایک ایسا خطرناک رجحان ہے جب سے یہ قائم ہوا ہے آگے ہی بڑھا ہے پیچھے نہیں ہٹا۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کے وہ خاندان جو مغرب میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے بہت بڑی نصیحت ہے۔ شروع میں ان کو صبر کرنا پڑے گا اپنے بچوں کو بھی، اپنی بیویوں کو بھی، اپنی بچیوں کو بھی سمجھانا ہوگا کہ اس معاشرے میں کچھ نہیں ہے صرف دکھ ہی دکھ ہیں، وقتی عارضی لذتیں ہیں ان سے کنارہ کشی کرو اور اس میں ہی صبر ہے اور اس کے لئے لازماً کچھ عرصہ صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں پھر گھر کا جو محبت اور پیار کا پاکیزہ ماحول پیدا ہوتا ہے وہ حسن ہے جو صبر کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اور جن گھروں میں یہ حسن ہو ان کی باہر کی طرف نظر ہی نہیں رہتی۔ وہ گھر خود کشش کا موجب بن جاتے ہیں اور ہر وہ شخص جو اُن گھروں سے وابستہ ہوتا ہے باہر سے گھبرا کر جلد از جلد گھر لوٹنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کو اپنے باپ سے، اپنی ماں سے، اپنی بہنوں سے، اپنے بھائیوں سے، اپنے عزیزوں سے جو پیار ملتا ہے اور جو اپنائیت ہوتی ہے، جو یقین ہے کہ یہ ہمارے ہیں اور ہم ان کے ہیں اس کے نتیجہ میں ایک ایسا خوبصورت سکون نصیب ہوتا ہے کہ اس کی مثال باہر کی دنیا میں کم پائی جاتی ہے اور وہ لوگ جو دنیا کی لذتوں کی پیروی کرنے والے ہیں ان کو پتا ہی نہیں کہ یہ لذت کیا چیز

ہے۔ پس اس کے نتیجہ میں پھر یہ لوگ رفتہ رفتہ محسن بن جاتے ہیں۔ اپنے معاشرے کا حسن دوسروں کو دینے لگ جاتے ہیں وہ لوگ جو ان کے گھروں میں آتے ہیں وہ ان گھروں کی لذت کو دیکھ کر محسوس بھی کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں حسرتیں اٹھتی ہیں کہ کاش ہمیں بھی ایسے پاکیزہ گھر نصیب ہوتے۔ ان سے وہ دوستیاں کرتے ہیں ان سے تعلق بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسے نمونے دیکھ کر پھر ان میں سے کئی اسلام اور اسلام کی سچی تشریح یعنی حقیقی اسلام، احمدیت کو قبول کر لیتے ہیں ایک بچی کی میں نے مثال دی تھی اس نے پچھلے رمضان سے ایک دو روز پہلے بیعت کی تھی۔ اُسے جب میں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ جو احمدی بچیاں ہیں اور ان کے گھر کا ماحول ہے۔ یہ مجھے ایسا پُرکشش لگتا تھا، ایسا پیارا لگتا تھا کہ اس کے نتیجہ میں لازماً مجھے اس مذہب کی تحقیق کرنی پڑی اور جب میں نے تحقیق کی تو مجھے دل سے یہ مذہب پیارا لگنے لگا تو محسن کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ کسی حسن کو اختیار کر لے۔

فرمایا صبر کے نتیجہ میں محسن بنو گے اور جب محسن بنو گے تو وہ حسن جو تمہیں صبر نے بخشا ہے وہ تم دوسروں کو بانٹنے لگ جاؤ گے۔ موتی بن جاؤ گے، تمہارا فیض دنیا کو پہنچے گا اور اس طرح یہ حُسن پھیلتا چلا جائے گا۔ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کا ایک یہ مطلب بھی ہے کہ وہ اس کے پھل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے۔ اُس کے احسان کی زندگی ضائع نہیں جائے گی بلکہ اس زندگی کو وہ اس دنیا پر غالب دیکھیں گے اور کامیاب دیکھیں گے اور جان لیں گے کہ اس میں ایک طاقت ہے اور اسی طرز زندگی نے بالآخر دنیا پر غالب آنا ہے۔ پس ان معنوں میں جماعت کو صبر پر قائم ہونا چاہئے اور جہاں تک مشرقی دنیا کا تعلق ہے پاکستان ہو یا ہندوستان، جو حالات ہم جانتے ہیں، ہمیں علم ہے کہ نئی نسلیں بہت تیزی کے ساتھ اُن ساری برائیوں کا شکار ہو رہی ہیں جن میں سے اکثر کا آغاز امریکہ میں ہوتا ہے۔ وہاں وہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور پھر ساری دنیا میں برآمد کی جاتی ہیں اور بہت تیزی کے ساتھ امیر بھی اور غریب بھی نشوں کے مریض، گناہ کے ہر طریق پر منہ مارنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والے سچ اور جھوٹ کی تمیز اٹھ چکی ہے، حلال اور حرام کمائی کی تمیز اٹھ چکی ہے، انصاف اور ظلم کے درمیان کوئی تفریق نہیں رہی اور ہر پہلو سے ہمارا معاشرہ اتنا داغدار اور گندہ ہو چکا ہے اور اس قدر زخمی ہو چکا ہے کہ وہ خواہ ان دکھوں کو محسوس کریں نہ کریں دیکھنے والے

جانتے ہیں کہ یہ زخم دراصل موت کی طرف لے جانے والے زخم ہیں، ایسے زخم ہیں جن میں سے بہت سے ناسور بن چکے ہیں، ایسے ہیں جو کینسر کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان سے بچنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ ان لوگوں کی اصلاح کے لئے جماعت احمدیہ کو قائم فرمایا گیا ہے۔ اگر اُن ہتھیاروں سے لیس ہو جائیں جن ہتھیاروں کا قرآن کریم نے یہاں ذکر فرمایا ہے تو پھر جدوجہد کا آغاز ہوگا اور وہ آغاز کیسے ہو گا؟ فرمایا فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اے کاش! تم سے پہلی قوموں کو یہ عقل آ گئی ہوتی کہ وہ بات سمجھ جاتے کہ جب معاشرہ چاروں طرف بیمار ہو چکا ہو اور دن بدن موت کی طرف آگے بڑھ رہا ہو تو ان کو بچانے والے ہلاکت کے گڑھوں سے واپس بلانے والے، ایسے آواز دینے والے ہونے چاہئیں جو بار بار اُن کو متنبہ کریں اور کہیں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو واپس آؤ۔ ان آواز دینے والوں کی صفات کیا ہیں، وہ پہلے بیان ہو چکیں۔ وہ صبر کرنے والے ہیں، وہ احسان کرنے والے ہیں، احسان کے ہر معنے میں وہ احسان کرنے والے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو خدا کی عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادتیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ ان کی راتیں روشن ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور پیار کا تعلق باندھ لیتے ہیں اور خدا اُن کا قبلہ بن جاتا ہے۔ ایسا قبلہ جو قبلے کی طرف کہیں نہیں بلکہ سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ اگر وہ اُسے دیکھ نہیں سکتے تو وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو قرآن کریم نے اُولُوْا بَقِيَّةٍ فرمایا صاحب عقل لوگ یہ ہیں اور یہ لوگ لازماً پھر معاشرے کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں یہ خاموش رہ ہی نہیں سکتے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان مراتب کو حاصل کر چکے ہوں اور معاشرے سے بے نیاز اور بے پرواہ ہو جائیں۔ لازماً وہ خدا کی طرف بلانے والے بنتے ہیں اور خدا کی طرف بلانے کے لئے پہلا قدم بدیوں سے روکنا ہے، برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کی کوشش کرنا، فرمایا اگر وہ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ سے لوگوں کو روکتے تو سوائے ان تھوڑے سے لوگوں کے جن پر اللہ نے احسان فرمایا، قومیں اس بدانجام کو نہ پہنچتیں۔

اب یہ وہ ایک ایسی آیت ہے جو ہمارے اور ہمارے دشمن مولویوں میں نمایاں تفریق اور تمیز کرنے والی آیت ہے۔ وہ دین کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن برائیوں کے خلاف کوئی جہاد نہیں کرتے۔ ان کا اگر جہاد ہے تو گھوم پھر کر بالآخر احمدیوں پر ظلم کرنا اُن کے جہاد کا نام ہے اور

قرآن کریم فرماتا ہے کہ جہاد ظلم کے خلاف ہونا چاہئے نہ کہ ظلم کے ذریعہ تو کیا اُن کی سچائی ہے؟ کیا ان میں حقیقت ہے؟ وہ احمدی جو بعض دفعہ ان لوگوں کے چکر میں آ کر کمزوری دکھاتے ہیں میں ان کی عقل پر حیران ہوتا ہوں کہ اتنی کھلی کھلی تمیز اللہ تعالیٰ نے دکھا دی ہے۔ ایسا واضح فرق کر دیا ہے کہ گویا احمدیت کو فرقان عطا فرما دیا ہے اور پھر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سچے ہیں کہ وہ سچے ہیں۔ قرآن کریم کی ان آیات کی کسوٹی پر اُن کو پرکھ کر دیکھیں تو کسی میں اگر معمولی سی بھی عقل ہو تو اُسے دور کا بھی یہ واہمہ نہیں ہوگا کہ احمدیت کا مُعاندِ ملاں سچا ہو سکتا ہے۔ اس کی ساری زندگی ظلم کی تعلیم دینے پر وقف ہو چکی ہے اور وہ ظلم جس کو خدا تعالیٰ ظالم قرار دیتا ہے دنیا کی عیش پرستی اور اس کی لذتوں میں کھو جانا اور اس کے نتیجہ میں بنی نوع انسان سے ناانصافی کا سلوک کرنا، معاشرے میں ہر قسم کی بدی کا پیدا ہو جانا اس ظلم کے خلاف ان کے تمام احساسات یوں ہیں گویا مر چکے ہیں۔

میں نے پہلے بھی ایک دفعہ پاکستان کے علماء کو نصیحتاً یہ بات کہی تھی اگر چہ میں جانتا ہوں کہ وہ نصیحت کو سننے والے نہیں مگر خواہ کوئی سنے یا نہ سنے نصیحت کرنا تو ہمارا فرض ہے اور قرآن کریم کی یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ نصیحت کرو۔ میں نے اُن سے کہا کہ کچھ دیر کے لئے تم احمدیت کا پیچھا چھوڑو اور اسلام کو بچانے کی کوشش کرو۔ گلی گلی میں، گھر گھر میں اسلام مر رہا ہے اسلامی اقدار مر رہی ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اسلامی معاشرے سے یہ سنت غائب ہو رہی ہے۔ اس پر تمہارا دل کیوں نہیں روتا، اس پر تمہاری جان کیوں نہیں نکلتی، اس پر تمہاری راتوں کی نیند کیوں حرام نہیں ہو جاتی۔ تم اُٹھو اور یہ عظیم جہاد کرو۔ ملک کی گلی گلی، شہر شہر، قریہ قریہ، گاؤں گاؤں، بستی بستی میں اور مسلمانوں کو جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو بتاؤ اور دکھاؤ کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے کتنا دور جا چکے ہیں اور کتنا دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آج پاکستان کے کسی شہر میں نمونۃً ہزار، پندرہ سو، دو ہزار آدمی منتخب کریں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی کسوٹی پر اُن کو پرکھنے کی کوشش کریں وہ پرکھنے کی کوشش ہی گستاخی رسولؐ معلوم ہوگی۔ یعنی مثال کے طور پر وہ لوگ جو سندھ میں ڈاکے ڈال رہے ہیں اور اغوا کر رہے ہیں اور جس طرح گلی گلی میں ظلم اور سفاکی سے کام لیا جا رہا ہے، بے حیائی عام ہو رہی ہے، زندگی کا مقصد گندے گانے سننا ہی ہے اس کے سوا کچھ باقی رہا ہی نہیں یا گندی فلمیں

میسر آ جائیں تو عیش وعشرت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ ہر قسم کی برائیوں کی پیروی ہو رہی ہے، جھوٹ بولا جا رہا ہے، رشوت لی جا رہی ہے، دی جا رہی ہے، ان لوگوں میں سے نمونے چنیں اور اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی کسوٹی پر پرکھو تو جس کو آنحضورؐ سے محبت ہے اس کو اس پر بے انتہا غیرت محسوس ہوگی۔ وہ کہے گا ان کو پرکھوں، ان کی حیثیت کیا ہے؟ یہ تو میرے آقا پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی ہے کہ ان کی کسوٹی پر ان لوگوں کو پرکھ کر دیکھا جائے۔ یہ تو دکھائی دے رہے ہیں، نظر آ رہے ہیں کہ کن کے ہیں اور کن کے ہو چکے ہیں۔ یہ ملاّں کو نظر نہیں آ رہا۔ میں نے کہا! خدا کے لئے اگر تمہیں اسلام سے محبت ہے تو یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ جو چند مسلمان رہ گئے ہیں اُن کو ہی غیر مسلم بنا کر اسلام کو تم نے پاک کرنا ہے جو غیر مسلم یعنی اپنے عمل کے ذریعہ غیر مسلم اسلام میں بھر گئے ہیں ان کی اصلاح کی طرف تمہیں کوئی توجہ نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ آپ ہی کا کام ہے۔ آپ وہ اُولُوا بَقِيَّةٍ ہیں جو معدودِ چند ہیں اُس اُمت کے مقابل پر جو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو رہی ہیں چند لیکن آپ کو خدا نے یہ عقل دی ہے۔ آپ کا یہ کام ہے کہ تمام دنیا کے معاشرے کو بدیوں سے پاک کرنے کے لئے اعلانِ جنگ کریں۔ یہ جہاد شروع کریں، ہر جگہ اپنے دفتر کے ماحول میں، اپنے کاروبار، اپنی دکان کے ماحول میں، اپنے تعلیمی ماحول میں، اپنے دوستوں کے تعلقات کے ماحول میں، جہاں بھی آپ جائیں وہاں بُرائیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیں اور ہر قوم کی مخصوص بُرائیاں ہیں۔ پاکستان کی اپنی بُرائیاں ہیں، ہندوستان کی اپنی ہیں اور انگلستان کی اپنی ہیں، اور ضروری نہیں کہ ہندو پاکستان کے معاشرے چونکہ ملتے ہیں اس لئے ان کی بُرائیاں بھی ایک جیسی ہوں۔ ایک لطیفہ ہے لیکن اس میں برائیوں کا فرق کر کے دکھایا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک کتا پاکستان کا بارڈر کراس کر کے ہندوستان جا رہا تھا اور ایک کتا ہندوستان کا بارڈر کراس کر کے پاکستان آ رہا تھا۔ جو ہندوستان سے آ رہا تھا وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا، غریب بھوکا، فاقوں کا شکار اور جو پاکستان سے جا رہا تھا وہ بڑا مسٹنڈا، موٹا تازہ، اچھی خوراک سے پلا ہوا کتا تھا تو اس پاکستانی کتے نے ہندوستان والے کتے سے جب پوچھا کہ تم بارڈر کراس کر کے پاکستان کیوں آ رہے ہو۔ اُس نے کہا بھوکے مر گئے، نظر نہیں آ رہا تمہیں۔ میری شکل دیکھو، میری صورت دیکھو۔ فاقوں کا شکار ہوں پھر اُس نے کہا کہ میری بات تو قابل فہم ہے لیکن تم بتاؤ کہ تمہیں کیا

سوجھی ہے، تم کیوں ہندوستان جا رہے ہو تو اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ پاکستان میں روٹی تو بہت ملتی ہے مگر بھونکنے نہیں دیتے۔ آزادئ ضمیر ہی نہیں تو دیکھ لیں ہمسایہ ملک ہیں۔ ایک ہی قسم کا پس منظر ہے یہاں ایک بُرائی ہے وہاں دوسری بُرائی ہے۔ وہاں اور قسم کا جہاد ہے یہاں اور قسم کا جہاد ہے لیکن بنیادی طور پر جہاد اللہ کی خاطر ہونا چاہئے۔ خدا کی خاطر دنیا کے معاشروں کو کمزوریوں اور بُرائیوں سے پاک کرنے کے لئے آپ کو مامور فرمایا گیا ہے آپ اس پر قائم ہو جائیں۔ خدا آپ کی نسلوں کی حفاظت فرمائے گا، آئندہ نسلوں کی حفاظت فرمائے گا۔ آپ کا فیض اس صدی کے آخری کنارے تک پہنچے گا۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین